رسائل و مسائل

جسمانی اعضا کا عطیہ

سوال:۔ نمبر ۱۔ موجودہ سائنسی دور میں نظریات کی جنگ زوروں پر ہے۔ مختلف مادی نظریات اسلامی نظریات کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے سائنسی تحقیقات پر مبنی جدید تکنیک کو موضوع بحث بنا کر اسلام کی نظریاتی عمارت میں دراڑیں ڈالنے کی کوشش میں مصروف ہیں اور جب ان معاملات میں کوئی واضح مدلل اور اطمینان بخش اسلامی نقطۂ نظر سامنے نہیں آتا تو یہ مادی نظریات عام فہم افراد کے دلوں میں جڑ پکڑ جاتے ہیں۔ میڈیکل سائنس سے متعلق اسی قسم کا ایک مسئلہ "طبی مقاصد کے لیے لاشوں کی چیر پھاڑ" اور "جسمانی اعضا کا عطیہ" ہے۔ جس سے متعلق ایک مضمون روزنامہ "جنگ کراچی" کی ۲۱ جنوری ۱۹۸۲ء کی اشاعت میں شائع ہوا ہے۔ یقیناً آپ کی نظر سے بھی گزرا ہوگا۔ دوسری طرف اس سلسلے میں مولانا محترم رح کا نقطۂ نظر بھی آپ کے سامنے ہے۔ آپ اس سلسلے میں کوئی واضح، مدلل اور اطمینان بخش جواب دے سکیں تو نوازش ہوگی۔

نمبر ۲۔ جو لوگ مرنے کے بعد آنکھیں اور جسم کے دوسرے اعضا نکلواتے ہیں، تاکہ یہ دوسروں کے کام آسکیں یعنی بطور عطیہ دیتے ہیں۔ کیا یہ اسلام میں جائز ہے جب کہ یہ بھی ارشاد ہے کہ مُردے کو ہاتھ تک نہ لگاؤ۔

جواب:۔ آنکھوں کے عطیے کے مسئلے میں مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے نفی میں ہے۔ اس کے لیے انہوں نے اپنے دلائل دیے ہیں۔ مگر بجائے اس کے کہ اس مسئلے پر اہلِ علم کی کوئی مجلس غور و تحقیق کے لیے بیٹھتی اور کوئی متفقہ فیصلہ سامنے آجاتا، اخباری کالموں کی سطح پر جو بحث

کے جی میں آتا ہے کہتا چلا جاتا ہے۔ دین کے استنباطی اور اجتہادی مسائل کے حل کا یہ کوئی موزوں میدان نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے سوال نچلی سطح پر پھیل گیا ہے۔ اور اس کے حق میں یا مخالفت میں دئے جانے والے دلائل بھی ٹینس کورٹ کی گیندیں بنے ہوئے ہیں۔

اجتہاد کے میدان میں دیکھنا یہی نہیں ہوتا کہ ایک خاص جزئی مسئلہ محض اپنی حد تک کیا ہے بلکہ یہ بھی کہ اس مسئلے کے جواز کا دروازہ کھلنے سے اور کون سے دروازے کھولنے ہوں گے۔ ہمارا معاملہ ایک ایسی تہذیب سے ہے جس کے سامنے انسان کی محض حیوانی اور بدنی زندگی ہے۔ اور آخرت کے تصور کا کوئی دخل نہیں۔ آج بحث آنکھوں کے مسئلے پر ہے، پھر گردوں کا مسئلہ اس کے ساتھ وابستہ ہے۔ پھر دل اور جگر کا قصہ چھڑے گا۔ ہو سکتا ہے کہ آگے چل کر سائنس کی تحقیقات میں ایک کی کھال یا ہڈیوں کے ٹکڑے بھی دوسروں کو لگانے کا راستہ کھول دیں۔ اب نقشہ یہ بنا کہ ایک آدمی اِدھر مرا، اُدھر ہسپتالوں سے گاڑیاں اور ایمبولینس آگئیں اور مختلف ماہرین قطع و برید نے میت کے مختلف اجزاء کو کاٹ پھاڑ کر تھیلیوں میں ڈالا اور ایک ادھوری سی لاش جیسے مُردہ گوشت کا ڈھیر سمجھا جائے گا، باقی رہ جائے گی۔ اگر اسی بدن پرست تہذیب کو معیار بنانا ہے تو پھر سرے سے تکفین و تدفین کی ضرورت کیا رہے گی۔ کسی طرح تلف کر دیں، کیونکہ کسی تصرف کا کوئی تعلق آخرت سے تو ہے ہی نہیں۔

پھر جب یہ نقشہ احوال یوں بنے گا تو ایسا بھی ہو سکتا ہے بلکہ کثرت سے ہونے لگے گا کہ کوئی صاحب دولت ڈاکٹر کی مدد سے کسی جاں بلب مریض کا دل یا گردہ یا کوئی اور حصہ جلدی سے جلدی حاصل کرنے کے لیے بھاری رشوت دے۔ اسی طرح حادثات سے دوچار ہونے والوں کی جان بچانے پر جو پوری توجہ صرف کی جاتی ہے، اس کے بجائے اب نیا مقصد یہ اُبھر آئے گا کہ اس ایک شخص کو زندہ رکھنے کے لیے تو بے حد خرچ اور محنت کی ضرورت ہے اور پھر بھی یہ معذور ہی رہے گا۔ کیوں نہ اس کے اجزائے بدن سے کچھ اہم تر لوگوں کی زندگیاں بچانے اور اُن کی قوتیں بہتر بنانے کا کام لیا جائے۔ اس طرح ہر قریب المرگ مریض یا حادثہ زدہ زخمی خطرے میں ہوگا کہ میرے ساتھ یا میری نعش کے ساتھ کیا ہونے والا ہے[1]۔

---

[1] خاص طور پر اس زمانے کی بعض نظریاتی مملکتوں کے شدید تعصبات کو سامنے رکھ کر (باقی بر صفحہ آئندہ)

کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ یہ تو مفروضہ صورتیں ہیں، ایسا تو ہم نے کہیں نہیں دیکھا۔ یقیناً آج آپ بکثرت ایسا نہیں دیکھ رہے (اگرچہ بعض منفرد عبرتناک واقعات ہوچکے ہیں) مگر جس راستے پر قدم رکھ رہے ہیں وہ ایسے ہی مناظر کی طرف جا رہا ہے۔ ان معاملات میں اللہ کا یہ قانون کام کرتا ہے کہ سنستدرجھم من حیث لا یعلمون۔ یعنی قدم بہ قدم تدریجاً حالات اس طرح بدلتے ہیں کہ لوگوں کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں پہلے عورتوں نے چادر، برقعے کے ساتھ گھروں سے نکلنا شروع کیا۔ پھر یہ استثنائی عمل معمول عام بن گیا، پھر برقعے سکڑنے لگے، پھر چادریں اُترنے لگیں، پھر آنچل بھی سروں پر بھاری ہوگئے۔ پھر لباس بھی بوجھ معلوم ہونے لگے۔ پہلے بات تھوڑی سی تعلیم حاصل کرنے تک تھی۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے دروازے کھلے، پھر ملازمتوں کی اہمیت بڑھی، پھر مخلوط مجالس اور مخلوط تعلیم اور مخلوط ملازمتوں کا سلسلہ چلا، پھر مردوں کے دوش بدوش ہونے کا سلوگن سامنے آیا۔ کوئی بھی ذی شعور آدمی مزید آگے کی منازل کا اندازہ کرسکتا ہے۔

شاید آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ دُنیا میں زندوں ہی کا اغوا نہیں ہوتا، بلکہ قبریں اکھیڑ کر نعشیں نکال کر بڑے پیمانے پر بیچی جاتی ہیں۔ مقصد یہ کہ سائنس اور طب کی تحقیقات کا سلسلہ چلتا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سائنس کے حوالے سے مریضوں یا حادثوں کا شکار ہونے والوں کے اعضا حاصل کرنے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا جاسکتا۔

مسئلے کے دو پہلو اہم ہیں۔

ایک یہ کہ کیا انسان کو اپنے جسم پر یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اس کے جن اعضا کو چاہے مفت یا قیمتاً دوسروں کے ہاتھ بیچتا پھرے۔

(بقیہ صفحہ سابقہ) سوچیے کہ مبغوض اقلیتوں کا کیا حال ہوگا۔ مثلاً روس یا بھارت یا اسرائیل کے اکثریتی گروہ سے متعلق متعصب ڈاکٹر ایک مسلمان کی موت کے یقینی امکان کا فتویٰ دے کر اپنے گروہ کے مریضوں کو اُن کے گردے یا آنکھیں نکال دیں گے۔ ایسے ممالک کی جیلوں میں اقلیتی قیدیوں کے جسموں سے بھی ناجائز فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے۔ ایسے واضح خطرات کے لیے خود اپنے ہاتھوں دروازہ کھولنا مناسب نہیں ہے۔

دوسرا یہ کہ مسلمانوں کی میتوں کا احترام کیا تقاضا کرتا ہے۔

اس بارے میں شریعت کے پاس بہت سے احکام اور اشارات موجود ہیں۔ اُن کو ملحوظ رکھا جائے تو اعضا کے عطیات کا معاملہ ایسا کھلا نہیں رہتا کہ جس کا جو جی چاہے کرے۔

رہا یہ سوال کہ آنکھوں کی بینائی (ایک خاص صورت میں) لوٹانے کا جو طریقہ سائنس نے نکالا ہے، اس کے سامنے آنے کے بعد کیوں نہ مناسب کوشش کی جائے اور کیوں نہ اس کے راستے کھولے جائیں۔

مگر راستے اور بھی ہو سکتے ہیں۔ اگر قلب کی شریانیں کسی دوسرے کی مدد کے بغیر آدمی کے اپنے ہی جسم سے بن سکتی ہیں تو ایک قرنیہ کا معاملہ ہی کیوں حل نہیں ہو سکتا۔ سائنس کو تھوڑی سی پیش قدمی اور کرنی ہو گی کہ وہ قرنیہ بنانے کا کوئی معقول طریقہ نکال سکے یا پلاسٹک وغیرہ سے مصنوعی طور پر بنا سکے[1]۔ علاوہ ازیں حیوانات کے قرنیے لگانے کی راہ بھی کھلی ہوئی ہے اور تجربات بھی ہوئے ہیں۔ اب اگر فی الوقت کچھ موانعات ہیں بھی تو ان کو دُور کیا جا سکتا ہے۔ ہر مادی مشکل کا کوئی نہ کوئی مادی حل ضرور ہوتا ہے۔ یہ مادی کائنات کا قانون ہے۔

میرا منشا یہ ہے کہ انسانی اجسام اور میتوں کے تحفظ و احترام کو برقرار رہنا چاہیے، ورنہ یہ دروازہ کھل گیا تو سائنس کی چیرہ دستیوں کی کوئی حد نہیں ہو گی۔

ارشاداتِ رسالت پر ایک نظر چند ہی روز پہلے میں نے ایک صحابی کا واقعہ پڑھا جنہوں نے کسی جنگ میں زخمی ہو کر تکلیف کی وجہ سے اپنے ہاتھوں کو نقصان پہنچا لیا تھا۔ وہ شہید ہو گئے۔ خواب میں اُن کو کسی دوسرے صحابی نے دیکھا اور حضورؐ سے بیان کیا کہ وہ ایک جنتی محل میں تھے مگر ان کے ہاتھ اسی طرح خراب تھے۔ پوچھا گیا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے تمہیں جنت تو دے دی مگر جن ہاتھوں کو تم نے خود خراب کیا وہ اسی طرح رہیں گے۔ اس بات کو سُن کر حضورؐ نے دُعا فرمائی کہ یا اللہ! ان کے ہاتھوں کو بھی ٹھیک کر دے۔

---

[1] اس وقت بھی آنکھوں کی پتلی کے سامنے لگے ہوئے شفاف پردے کو جو باریک تار ایک جگہ لٹکائے رکھتا ہے وہ جب ناکارہ ہو جاتے تو اس کی جگہ مصنوعی ریشہ استعمال ہوتا ہے۔

یہ چیزیں اگر سامنے ہوں تو آدمی اُخروی نقطۂ نگاہ سے بخوبی سوچ سکتا ہے کہ اُسے کیا کرنا چاہیے
اب احادیث پر بھی ایک نظر رہے۔

۱۔ خودکشی کے متعلق آپ جانتے ہی ہیں۔ وہ بھی اسی اُصول پر ممنوع اور ناجائز ہے کہ آدمی کو اپنی زندگی یا جسم کا نقصان کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

۲۔ حضورؐ نے فرمایا: اِنَّ کَسْرَ عَظْمِ الْمُؤْمِنِ مَیِّتًا کَمِثْلِ کَسْرِ عَظْمِہٖ حَیًّا
یعنی مومن کی میت کی ہڈی کو توڑنا ویسا ہی ہے جیسے زندہ ہونے ہوتے اس کی ہڈی کو توڑنا۔

۳۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المُنْھِبَۃَ وَالمُثْلَۃَ۔ (یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اموال کو توڑنے اور چہروں کو مسخ کرنے (کان، ناک وغیرہ کاٹ کر یا آنکھیں نکال کر بگاڑنے سے منع فرمایا

یہ مسند امام احمد بن حنبل سے اخذ کردہ روایات ہیں۔ اِن سے آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا سمجھنا چاہیے اور بے جا نکتہ آفرینی نہیں کرنی چاہیے۔

مولانا مودودیؒ کا نقطۂ نظر ذیل میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت درج کی جارہی ہے:-

آنکھوں کے عطیہ کا معاملہ صرف آنکھوں تک ہی محدود نہیں رہتا، بہت سے دوسرے اعضا بھی مریضوں کے کام آسکتے ہیں اور اُن کے دوسرے مفید استعمال بھی ہو سکتے ہیں یہ دروازہ اگر کھول دیا جائے تو مسلمان کا قبر میں دفن ہونا مشکل ہو جائے گا۔ اس کا سارا جسم ہی چندے میں تقسیم ہو کر رہے گا۔ اسلامی نظریہ یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے جسم کا مالک نہیں ہے۔ اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ مرنے سے پہلے اپنے جسم کو تقسیم کرنے یا چندہ میں دینے کی وصیت کردے۔ جسم اس وقت تک اس کے تصرف میں ہے جب تک وہ اس جسم میں خود رہتا ہے۔ اس کے نکل جانے کے بعد اس جسم پر اس کا کوئی حق نہیں ہے کہ اس کے معاملے میں اس کی وصیت نافذ ہو۔ اسلامی احکام کی رُو سے یہ زندہ انسانوں کا فرض ہے کہ اس کا جسم احترام کے ساتھ دفن کردیں۔

اسلام نے انسانی لاش کی حُرمت کا جو حکم دیا ہے وہ دراصل انسانی جان کی حرمت

کا ایک لازمہ ہے۔ ایک دفعہ اگر انسانی لاش کا احترام ختم ہو جائے تو بات صرف اس حد تک محدود نہ رہے گی کہ مردہ انسانوں کے بعض کارآمد اجزا زندہ انسانوں کے علاج میں استعمال کیے جانے لگیں، بلکہ رفتہ رفتہ انسانی جسم کی چربی سے صابن بھی بننے لگیں گے۔ (جیسے کہ فی الواقع جنگ عظیم نمبر ۲ کے زمانے میں جرمنوں نے بنائے تھے) انسانی کھال کو اتار کر اس کو دباغت دینے کی کوشش کی جائے گی تاکہ اس کے جوتے یا سوٹ کیس یا منی پرس بنائے جا سکیں۔ (چنانچہ یہ تجربہ بھی چند سال قبل مدراس کی ٹینری کر چکی ہے) انسان کی ہڈیوں اور آنتوں اور دوسری چیزوں کو استعمال کرنے کی بھی فکر کی جائے گی، حتیٰ کہ اس کے بعد ایک مرتبہ انسان پھر اس دورِ وحشت کی طرف پلٹ جائے گا جب آدمی آدمی کا گوشت کھاتا تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ اگر ایک دفعہ مردہ انسان کے اعضا نکال کر علاج میں استعمال کرنا جائز قرار دے دیا جائے تو پھر کس جگہ حد بندی کر کے آپ اسی جسم کے دوسرے "مفید" استعمالات کو روک سکیں گے اور کس منطق سے اس بندش کو معقول ثابت کریں گے۔

(رسائل و مسائل حصہ سوم ص ۲۹۴ - ۲۹۵)

فقہا کا نقطۂ نظر

اب فقہا کا نقطۂ نظر بھی ملاحظہ فرمائیے جسے حافظ عبدالحمید صاحب نے مرتب کیا ہے:-

۱ — فقہائے اسلام نے زندہ آدمی یا تازہ میت کے اعضا کی قطع و برید کو بالعموم ناجائز قرار دیا ہے حتیٰ کہ کوئی شخص اگر حالتِ اضطرار میں بھوکا مر رہا ہو اور کوئی شخص اسے اپنے جسم کا گوشت کاٹ کر کھانے کی اجازت دے تب بھی فقہائے حنفیہ کے نزدیک اس اجازت سے فائدہ اٹھانا مضطر کے لیے مباح نہیں ہے۔ حالانکہ ایسی حالت میں اس کے لیے اکلِ میتہ اور اکلِ حرام بھی جائز ہو جاتا ہے۔

اسی طرح کسی زندہ حلال جانور کے جسم سے گوشت کاٹ کر کھانا بھی فقہا نے حرام قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حلال جانور بھی جب تک اللہ کا نام لے کر ذبح نہ کیا جائے حلال نہیں ہو سکتا۔

۲ — مردہ حیوان کے اجزا سے استفادہ حالتِ اضطرار میں جان بچانے کے لیے جائز ہو سکتا ہے۔ لیکن انسان کی میت کو فقہائے اسلام نے اسی طرح قابلِ احترام قرار دیا ہے جس طرح کہ زندہ حالت میں اس کا احترام کیا جاتا ہے اور بغیر حق کے اس کا خون بہانا یا اسے جسمانی گزند پہنچانا جائز نہیں ہوتا۔

ایک حدیث میں بھی مذکور ہے کہ مُردہ انسان کی ہڈی توڑنا اسی طرح ہے جس طرح زندہ انسان کی ہڈی توڑنا۔

۳۔ جدید زمانے میں جس طرح اعضائے انسانی سے استفادہ کیا جا رہا ہے اس کو بھی بالعموم علمائے اسلام نے صحیح نہیں سمجھا۔

رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ میں علماء کی ایک مجلس نے بھی اسے ناجائز قرار دیا تھا۔ ان کی رائے رابطہ عالم اسلامی کے مجلات میں شائع ہوئی تھی۔

انسانی زندہ یا مردہ اعضا کے کاٹنے اور اُن کی پیوند کاری کو علما نے ناجائز قرار دیا ہے جہاں تک حیوانات کے اجزا یا بے جان اشیاء کو انسان کے جسم میں داخل یا نصب کرنے کا تعلق ہے اُسے بطور علاج و دوا جائز قرار دیا گیا ہے۔

۴۔ انسان جس طرح جیتے جیات اپنے یا کسی دوسرے کے جسمانی اعضا کو کاٹ کر استعمال میں نہیں لاسکتا، نہ دوسرے کو اس کی اجازت دے سکتا ہے، اسی طرح وہ اپنے اعضا کے اس طرح کے استعمال کی کوئی وصیت بھی نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی وصیت کرے گا تو وہ بے معنی ہوگی۔ اگر زندگی میں وہ اپنے جسم کا مالک و مختار نہیں تو مرنے کے بعد اس کے بارے میں ہبہ یا وصیت کیسے کر سکتا ہے۔

۵۔ جان بچانے کے لیے مریض کو خون دینا جائز ہے[1]۔ لیکن اس میں اور اعضا کی پیوندکاری میں کوئی مماثلت نہیں۔ خون کی ایک خاص مقدار ہر صحت مند انسان کے جسم میں ہر وقت موجود رہتی ہے اور اس کا کچھ حصہ نکال لیا جائے تو اُس کے لیے نہ کوئی جانی خطرہ پیدا ہوتا ہے اور نہ وہ کسی حصہ جسم سے محروم ہو جاتا ہے۔ خارج شدہ خون کی اتنی مقدار پھر اس کے جسم میں خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ جس صورت میں خون کا استعمال جائز ہے اس صورت میں اس کی خرید و فروخت بھی جائز ہے۔ اور چونکہ انسانی اجزا کی پیوندکاری جائز نہیں اس لیے اس کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں۔

---

[1] جس طرح لعاب دہن۔